© rasailojaraid.com

سفرِ ہندوستان - مشاہدات وتاثرات

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۷رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۱ردسمبر ۲۰۱۳ء سے ۱۴رصفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۸ردسمبر ۲۰۱۳ء تک احقر ''ہندوستان'' کے سفر پر رہا۔ واپسی کے فوری بعد سفرنامہ مرتب کرنے کا ارادہ تھا لیکن مصروفیات کی بنا پر تکمیل ارادہ میں تاخیر ہوگئی۔ چونکہ سفر کے مشاہدات وتاثرات میں قارئین کو شامل کرنا چاہتا ہوں اس لئے تحریر کررہا ہوں۔ اللہ کرے یہ سفرنامہ ''دیر آید درست آید'' کا مصداق ہوجائے۔

یوں تو انسان کی زندگی ہی سفر سے عبارت ہے۔ اپنے وطن اصلی جانے کے لئے ہر شخص پا بہ رکاب ہے۔ اس سفر کی مسافت ہر شخص کے لئے یکساں نہیں لیکن منزل ایک ہے۔

چلے جاتے ہیں سب کشاں کشاں، کوئی قید پیر و جوان نہیں

تاہم اس فانی زندگی میں بعض یادگار اور تاریخی نوعیت کے سفر بھی پیش آتے ہیں جو مسافر کے علاوہ دوسروں کے لئے معلومات افزا اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے حرمین شریفین کے سفر کے بعد دیگر ممالک کے اسفار مختلف وجوہ سے مطلوب ومحمود ہوسکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے اہلِ مدارس اور اہلِ علم کے لئے حرمین شریفین کے بعد اگر کوئی سفر محبت وعقیدت اور قلبی تعلق کے ساتھ کیا جاتا ہے تو وہ سفرِ ہندوستان ہے۔ کم از کم راقم الحروف کے جذبات یہی ہیں۔ یہ محبت وعقیدت جغرافیائی قرب کی بناء پر نہیں بلکہ ان آثارِ علم وعمل اور برصغیر کے ممتاز اکابر واسلاف کی بنا پر ہے جن کی یادگاریں ہندوستان میں جا بجا نظر آتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جغرافیائی سرحدیں قلبی وروحانی رشتوں اور نسبتوں میں کبھی بھی حائل نہیں رہیں۔ یہ رشتے اور نسبتیں، علاقائی وقومیتی عصبیتوں سے بہت بلند ہیں اس لئے جب کبھی بھی ہندوستان جانے کی کوئی تقریب پیدا ہوئی حتی الامکان کوشش رہی کہ دیگر مشاغل کو مؤخر کرکے اسلاف واکابر کی اس سرزمین کو ضرور دیکھا جائے۔ راقم کو اب تک پانچ چھ مرتبہ ہندوستان جانے، وہاں کے تعلیمی وروحانی مراکز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیکھنے اور ہندی مسلمانوں سے ملاقات وخطاب کی سعادت حاصل ہو چکی ہے لیکن ہر مرتبہ یہ خواہش پہلے سے زیادہ ہوئی ہے۔ میرے جدامجد استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ نے جامعہ خیر المدارس کی بنیاد بھی ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کے شہر جالندھر میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے رکھی۔ قیام پاکستان کے بعد اسی نام کے ساتھ یہ ادارہ پنجاب کے شہر ملتان میں قائم کیا گیا۔

بندہ نے اپنی زندگی کا سب سے پہلا بیرونی سفر فروری ۱۹۸۳ء میں ''ہندوستان'' ہی کا کیا۔ اس سفر کے منتظم اور محرک بندہ کے برادرِ نسبتی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن زید مجدہم تھے جو رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ہیں۔ میرے دوسرے برادر نسبتی حضرت مولانا قاری محمد طیّب حنفی زید مجدہم (مہتمم جامعہ حنفیہ بورے والا) بھی شریک سفر تھے۔ اس سفر کی خوشگوار یادیں ابھی تک تازہ ہیں۔ اس کے بعد بھی مختلف مواقع پر چار پانچ مرتبہ جانے کا اتفاق ہوا۔ تازہ ترین سفر جمعیۃ علماءِ ہند کی طرف سے ''شیخ الہند امنِ عالم کانفرنس'' میں شرکت کی غرض سے ہوا۔ بندہ کو اس کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم کی وساطت سے ملا جس کے داعی جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب تھے۔ یہ دعوت نامہ بجائے خود ایک دعوت، ایک پیغام اور تحریکِ عمل پر مشتمل ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعوت نامہ بھی قارئین کے سامنے آجائے جو درج ذیل ہے:

دعوت نامہ ''امن عالم کانفرنس'' ...... بسلسلہ تحریک شیخ الہند صد سالہ تقریبات

بتاریخ: ۱۳ تا ۱۵ دسمبر ۲۰۱۳ء...... بمقام: دیوبند، دہلی

محترم المقام زید مجدکم ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے۔

بفضلہٖ تعالیٰ جمعیۃ علماء ہند نے دار السلطنت دہلی اور مرکز رشد وہدایت، مدینۃ العلم دیوبند میں بتاریخ ۱۳ر دسمبر ۲۰۱۳ء تا ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۳ء حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہٗ کی تحریک ریشمی رومال کی صد سالہ تقریبات کے اختتامی اجلاس کے موقع پر مشاہیر علماء کی عالمی امن کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسلام، زندگی کے تمام شعبوں پر محیط، ایک داعیانہ مذہب ہے۔ امن، عدل ومساوات، اخوت و وحدت اسلامی فکر وعمل کا محور ہے۔ فساد فی الارض کو ختم کرنا، نزاع سے بچنا، مصالحت پسندی، قیامِ امن، باہمی اتحاد واتفاق اور بین الاقوامی تعاون واشتراک وغیرہ پالیسی، کوئی عارضی حکمت عملی نہیں بلکہ مقصدِ اسلام اور منشاءِ الٰہی ہیں۔ مگر کچھ اپنوں کی غلط فہمی وکوتاہ عملی سے ایسی آمیزش ہوگئی کہ حق وباطل کے درمیان امتیاز مشکل ہوگیا۔ اب ہمارے سامنے ایک طرف یہ سوال ہے کہ اسلام کی شبیہ کو مسخ کرنے والوں کو کس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح اصل دھارے سے الگ کرتے ہوئے مقابلہ کیا جائے، تو دوسری طرف یہ سوال بھی ہے کہ فساد فی الارض کو مٹانے اور عدل و مساوات اور اخوت و وحدت اور تمام انسانیت کی خیر خواہی پر مبنی قیامِ امن اور ایک صالح معاشرے کی تشکیل کے لئے مذہب اسلام کے قائدانہ اور داعیانہ کردار کو فکری اور عملی طور پر تمام اقوام، ملک وملت کے سامنے مؤثر طریقہ سے کیسے پیش کیا جائے۔

یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مسائل الگ الگ ہیں اور اپنے ملک کے شہری کی حیثیت سے تقاضے اور فرائض بھی جدا جدا ہیں لیکن اُمتِ مسلمہ اور اسلام کے حوالے سے ہم ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں اور اس حیثیت سے ہمارے بہت سے مسائل مشترک اور فرائض و تقاضے یکساں ہیں۔

اس تناظر میں مذہبِ اسلام کا عالمی پیغامِ امن اور مصالح کے حوالے سے علمائے اسلام، قیامِ امن، عوامی خوشحالی اور ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں باہمی روابط قائم کرنے اور صلاح ومشورے سے مشترک اور مثبت لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے مجوزہ کانفرنس ایک خوش آئند اقدام ہے۔

دورِ حاضر کے اہم اور اُن سلگتے مسائل پر تفصیلی جائزے اور متحدہ موقف اختیار کرنے کے پیش نظر کانفرنس کے پہلے دو روز دیوبند میں مشاورتی کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز ہے۔ اس کے بعد دہلی میں کھلا عوامی اجلاس منعقد کیا جائے گا تاکہ عوام کو ان اہم قراردادوں سے واقف کرایا جا سکے۔

زیرِ بحث آنے والے درج ذیل عنوانات ان شاءاللہ دوررس نتائج اور اہمیت کے حامل ہوں گے:

(۱)......ہندوستان اور دیگر ممالک کی آزادی میں علماء کا کردار۔

(۲)......امن کے قیام کے لئے علماء کا کردار اور ان کے فرائض۔

(۳)......غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق پڑوسیوں کے حقوق کی پاسداری اور باہمی رواداری۔

(۴)......دہشت گردی اور مذہب کے نام پر فرقہ ورانہ فسادات اور بے قصور انسانوں کی خون ریزی کے خلاف واضح اور متحدہ مؤقف۔

(۵)......مسلکی اختلافات میں تشدد کی مذمت۔

(۶)......اقلیتوں کے حقوق اور ان کی پاسداری۔

(۷)......کمزوروں، ناداروں، مفلسوں، عورتوں اور بچوں کے حقوق کی رعایت۔

(۸)......جنسی استحصال، عیش پرستی، شراب، منشیات اور فحاشی سے پاک صالح معاشرے کی تشکیل میں جملہ مذاہب اور مصلحانہ تحریکوں کے ساتھ اشتراک۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اجلاس میں شرکت کی پُرخلوص دعوت پیش کرتے ہوئے ہم آنجناب سے گذارش کرتے ہیں کہ اپنی منظوری سے مطلع فرمائیں تاکہ ویزا اور سفر و قیام کے انتظام کے لئے بروقت کارروائی کی جاسکے۔ آپ کی منظوری کی اطلاع ملنے کے بعد پورے پروگرام کی مزید تفصیلات ارسال کی جائیں گی۔ ہمیں آپ کی قیمتی آراء اور مشوروں کی سخت ضرورت ہے۔ ہم آپ سے سرپرستی، تعاون اور خصوصی دُعاؤں کے طلبگار ہیں۔

واللہ الموفق

والسلام

محمود اسعد مدنی

ناظم عمومی جمیعۃ علماء ہند

''دعوت نامہ'' کی روشنی میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے کانفرنس میں شرکت کے لئے اہلِ علم کا ایک وقیع اور موقر نمائندہ وفد تشکیل دیا۔ میری خوش نصیبی کہ اُس وفد میں راقم کا نام بھی شامل تھا۔ دیگر شرکاء درج ذیل تھے:

مولانا عبدالغفور حیدری، مولانا محمد خان شیرانی، مولانا زاہد الراشدی، مولانا گل نصیب خان، مفتی غلام الرحمٰن، حافظ عبدالقیوم نعمانی، مولانا سعید یوسف، مولانا امداد اللہ، ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا امجد خان، مولانا عبدالقیوم ہالیجوی (سندھ)، مولانا قمر الدین (ایم این اے خضدار، بلوچستان)، سینیٹر مفتی عبد الستار، مولانا مولا بخش (مستونگ، بلوچستان)، مولانا محمد شریف ہزاروی، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا محمود میاں، مولانا اللہ وسایا، مولانا عبدالواسع، مولانا عطاء الرحمٰن، مولانا اسعد محمود، نور محمد کاکڑ، مفتی زاہد شاہ، عزیزم احمد حنیف سلمہ (ابن راقم الحروف)۔

ہمارا (۳۰) تیس رُکنی قافلہ ۷ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ واہگہ بارڈر سے عازمِ سفر ہُوا۔ وفد کے قائد و رہبر حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم تھے۔ بدھ کی صبح نو بجے ''پاک بھارت دوستی ٹرمینل'' سے ''دوستی بس'' کے ذریعے سفر کا آغاز ہوا۔ تھوڑی ہی دیر میں بس ہندوستان کے علاقے میں داخل ہوگئی۔ جغرافیائی لحاظ سے ہندوپاک کی آب و ہوا اور طرزِ زندگی میں کوئی نمایاں فرق نہیں۔ دونوں اطراف میں پنجابی اور اُردو بولنے اور سمجھنے والے بستے ہیں۔ لباس، خوراک، رہائش اور طرزِ معاشرت یکساں ہیں۔ تاہم پاکستان کے باہر کسی دوسری سرزمین پر قدم رکھتے ہی اپنے وطن سے محبت کے آثار و جذبات بیدار ہو جاتے ہیں۔ وطن کی محبت ایک طبعی اور فطری جذبہ ہے۔ جس کا ذکر بعض روایات میں بھی کیا گیا ہے۔ خود سرکارِ دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین کے مظالم اور ایذاؤں کی وجہ سے مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور کر دیے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا آخری طواف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ: ''اے بیت اللہ! اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو میں کبھی تمھیں چھوڑ کر نہ جاتا۔'' (او کما قال علیہ السلام) اور بارگاہِ خداوندی میں یہ بھی عرض کیا کہ: ''اے پروردگار! شہرِ مکہ مجھے تمام دُنیا کے تمام شہروں سے زیادہ محبوب تھا اب مجھے وہ شہر عطا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمائیں جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہو۔“

ان ارشادات سے وطن سے محبت اور لگاؤ کا فطری ہونا ظاہر ہے۔ بہر حال ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہوتے ہی وطن پاکستان سے محبت وتعلق کے جذبات ضرور بیدار ہو جاتے ہیں۔

واہگہ بارڈر سے ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہونے کے بعد دونوں ملکوں کے امیگریشن حکام نے ضابطہ کی کارروائی مکمل کی۔ بحمد اللہ اس مرحلہ پر کوئی دشواری پیش نہیں آئی بلکہ امیگریشن حکام کے رویہ اور گفتگو میں شائستگی اور احترام کا عنصر نمایاں تھا۔ سرحد پر کھڑے ہو کر دونوں ملکوں کی اطراف کا طائرانہ جائزہ لیا۔ ہندوستان کی جانب کے دفاتر نسبتاً زیادہ کشادہ، صاف اور عمدہ طرز تعمیر کا نمونہ پیش کر رہے تھے جبکہ پاکستان کے دفاتر ان کے مقابلہ میں کم تر دکھائی دے رہے تھے۔ وطن سے دور انسان اپنے وطن سے منسوب ہر چیز کو عمدہ اور معیاری دیکھنے کا خواہش مند ہوتا ہے اس لئے رفقاءِ سفر نے پاکستانی حکام کی اس بے اعتنائی کو محسوس کیا۔ انگریزی کا مشہور مقولہ ہے:

(First impression is the last impression) یعنی ”پہلا تاثر ہی آخری تاثر ہے۔“

یعنی پہلی نظر کا تاثر آخر تک بلکہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اس لئے حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ اپنے ملک سے جانے اور آنے والوں کی سہولت کے ساتھ ساتھ ایسی عمارت تعمیر کرے جو ملک کے بارے میں اچھا تاثر قائم کرے۔

واہگہ بارڈر کے بعد ہماری پہلی منزل امرتسر تھی۔ تاریخی حیثیت کے حامل اس شہر کی زیادہ تر آبادی سکھوں پر مشتمل ہے۔ مسلمان اور ہندو کم تعداد میں ہیں۔ اسی شہر میں سکھوں کی مقدس عبادت گاہ ”گولڈن ٹمپل“ ہے جسے دیکھنے اور اس میں اپنے عقیدے کے مطابق عبادت کرنے کے لئے سکھ حضرات دور دور سے آتے ہیں۔ جب بس امرتسر شہر کے ٹرمینل پر پہنچی تو دن کا ایک بج چکا تھا۔ ہمارے قافلے کے استقبال کے لئے قرب وجوار سے ایک کثیر تعداد میں علماء کرام موجود تھے جبکہ دیوبند سے ہمارے میزبان حضرت مولانا محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم کے بھائی حضرت مولانا مودود مدنی صاحب بطور خاص تشریف لائے ہوئے تھے جو سفر کے اختتام تک ہمارے ساتھ رہے۔ مولانا کا استقبالی قافلہ 9 پُر آسائش اور آرام دہ گاڑیوں پر مشتمل تھا۔

امرتسر شہر میں تاریخی ”جامع مسجد خیر الدین“ واقع ہے جس میں کسی دور میں عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ مدرس اور امیر شریعت سید نا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ طالب علم تھے۔ شرکاءِ قافلہ کی دلی خواہش تھی کہ ظہر کی نماز اسی جامع مسجد میں ادا کی جائے۔ وقت کی کمی اور سفر کی طوالت کے باوجود میزبان حضرات نے ہماری خواہش کا احترام فرمایا۔

”مسجد خیر الدین“ ہال بازار امرتسر میں واقع ہے۔ 1983ء میں جب راقم پہلی مرتبہ اس تاریخی مسجد میں داخل ہوا تو مسجد غیر آباد محسوس ہوتی تھی۔ صفائی اور نظافت کا اہتمام بھی نہ تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ نمازی بہت کم ہیں اور پنجگانہ اذان بھی پابندی سے نہیں ہوتی۔ یہ حالات اور کیفیت دیکھ کر صدمہ ہوا کہ معلوم نہیں اس طرح کی ہندوستان کی کتنی مساجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمازیوں کے سجدوں کو ترس رہی ہوں گی۔ تاہم اس مرتبہ مسجد میں نظافت وصفائی کا اعلیٰ انتظام، پنجگانہ نمازوں کا اہتمام اور مسجد میں قائم مدرسہ دیکھ کر روحانی مسرت ہوئی۔ اسلامی تاریخ میں مسجد و مدرسہ لازم وملزوم ہیں اور مساجد کی آبادی درحقیقت مدارس ہی سے ہوتی ہے۔ مسجد میں قائم مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ بڑی محبت اور تپاک سے ملے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ اس مسجد میں امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی زیر تعلیم رہے ہیں۔ حضرت امیرِ شریعتؒ 1913ء میں پٹنہ سے امرتسر تشریف لائے اور اس وقت مدرسہ نصرۃ الحق، کٹرہ کمہاراں کی مسجد میں قائم تھا۔ حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے استاذ اور مسجد کے خطیب تھے۔ حضرت امیر شریعتؒ، دوسال (14-1913ء) تک مدرسہ نصرۃ الحق میں حضرت مفتی صاحبؒ سے درس نظامی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت امیرِ شریعتؒ حضرت مولانا مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے شاگرد تھے لیکن استاذ وشاگرد کا باہمی تعلق اور محبت باپ بیٹے کی مانند تھا۔ خانوادہ قاسمی کے ساتھ حضرت امیرِ شریعتؒ کی قربت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے صاحبزادے مولانا بہاء الحق قاسمیؒ نے امرتسر میں بہت شوق سے ایک خوبصورت نیا مکان بنایا۔ یہ گھر حضرت شاہ صاحبؒ کو پسند آ گیا۔ شاہ صاحبؒ نے وہ مکان خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تو مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ انکار نہ کر سکے۔ بہر حال وہ مکان شاہ صاحبؒ نے خرید لیا اور مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ دوسرا مکان بنانے میں لگ گئے۔ اب امرتسر میں یہ دونوں گھر ایک ہی گلی میں آمنے سامنے ہیں مگر کسی کو پتہ نہیں کہ ان گھروں میں مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ ایسی نابغہ روزگار شخصیات رہتی تھیں۔

مُلک کے معروف کالم نگار جناب عطاء الحق قاسمی، مولانا بہاؤ الحق قاسمیؒ کے فرزند ارجمند ہیں جو اپنی ذہانت و فطانت، برجستہ گوئی، دیانت وامانت، غیرت وحمیت اور دین واہلِ دین سے محبت وتعلق میں اپنے والد بزرگوار کا نمونہ ہیں۔ اتفاق سے حال ہی میں قاسمی صاحب نے اپنے بلند قدر والد مرحوم کا تذکرہ اپنے ایک کالم میں کیا ہے جس میں ان کی شخصی صفات وکمالات کے ضمن میں دیگر کئی شخصیات کا تذکرہ بھی ہوا۔ بالخصوص محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کے واقعات سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ:

قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

جناب عطاء الحق قاسمی اپنے والد بزرگوار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ابا جیؒ کی شخصیت میں جو بے پناہ انسانی صفات میں نے دیکھیں وہ ان کی حق گوئی، قناعت اور رزقِ حلال کے علاوہ بھی بے شمار تھیں۔ ان میں انکسار غیر معمولی حد تک تھا۔ میں آج جب علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو اپنے ناموں کے ساتھ مبالغہ آمیز القابات لکھتا دیکھتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ ابا جیؒ ایک جینوئن عالم دین اور اپنے دور کی دینی اور سیاسی تحریکوں کے ایک اہم کردار کے علاوہ متعدد کتابوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف بھی تھے جن میں ان کی ایک حقیقی نوعیت کی کتاب ''تذکرہ اسلاف'' بھی ہے جس کے لئے وہ کتب خانوں کی خاک چھانتے رہے مگر ان تمام امور کے باوجود اپنی تصنیف کردہ کتابوں پر بطور مصنف اپنا نام صرف ''محمد بہاء الحق قاسمی'' لکھتے تھے یا زیادہ سے زیادہ ''پیرزادہ'' کا اضافہ کر لیتے تھے تا کہ اسلاف سے نسبت قائم رہے۔

اباجیؒ برصغیر پاک وہند کی عظیم شخصیات کے ساتھ رابطے میں رہے۔ ان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی بنیاد پر اپنے قد میں جتنا چاہے اضافہ کر سکتا تھا مگر اباجیؒ اگر کبھی اس حوالے سے کوئی بات کرتے تو وہ برسبیل تذکرہ ہی کے ضمن میں آتی تھی۔ ایک دن گفتگو کے دوران کہنے لگے:

''عطاء الحق، مولانا حسرت موہانی بہت عظیم اور اس کے ساتھ بہت عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے۔'' میں نے کہا: ''ان کی عظمت میں کیا شبہ ہے لیکن آپ کو وہ عجیب وغریب کیسے لگے؟'' بولے: ''ایک طرف تو وہ کٹر سوشلسٹ تھے اور دوسری طرف جیل میں باقاعدگی سے گیارہویں کی نیاز بھی دیتے تھے۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کو کیسے پتہ چلا؟'' بہت سرسری انداز میں جواب دیا: ''میں ان کے ساتھ جیل میں رہا ہوں۔'' اسی طرح ایک دفعہ شیر کشمیر شیخ عبداللہ کے حوالے سے گفتگو کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا: ''کیا آپ کبھی ان سے ملے ہیں؟'' کہنے لگے: ''ہاں، وہ ہمارے امرتسر والے گھر میں ایک دن میرے مہمان رہے تھے۔''

مجلس احرار کے رہنما اور ''زندگی'' ایسی کتاب کے مصنف چوہدری افضل حق مرحوم (لاہور کے میانی صاحب میں جن کی لحد نئی سڑک کی تعمیر کی وجہ سے مسمار کی جانے والی تھی، وزیراعلیٰ پنجاب نے میری توجہ دلانے پر تحریک آزادی کے اس رہنما کی لحد کو مسمار ہونے سے بچالیا۔ جزاک اللہ) سے ایک دفعہ اباجیؒ اور ان کے درمیان اسلام اور سوشلزم کے حوالے سے اختلاف پیدا ہوا اور اس دور کے ایک مشہور اخبار روزنامہ ''زمزم'' میں طرفین کے مضامین ایک دوسرے کے جواب میں شائع ہونے لگے۔ جب اس علمی بحث میں تھوڑی سی تلخی در آئی تو ''الفرقان'' کے ایڈیٹر مولانا منظور نعمانیؒ نے دونوں کو اس موضوع پر مزید لکھنے سے روک دیا۔ قیام پاکستان کے بعد اباجیؒ نے اپنے مضامین ''اسلام اور سوشلزم'' کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیے تو اس کے دیباچے میں چوہدری صاحب کا نام لکھنے کی بجائے لکھا کہ ''ایک نہایت محترم شخصیت سے یہ مکالمہ ہوا تھا'' میں نے اباجیؒ سے پوچھا: ''چوہدری صاحب ایسی بڑی شخصیت کا نام آپ نے کیوں نہیں لکھا؟'' فرمانے لگے: ''وہ بہت محترم تھے، ان کا نام لکھنے سے کسی کے ذہن میں ان کے بارے میں کوئی غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی تھی۔'' صرف یہی نہیں بلکہ اباجیؒ نے اپنے ان مضامین سے وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلخ جملے بھی نکال دیئے جو کسی بھی گرما گرم بحث میں قلم سے نکل جاتے ہیں۔

البتہ ایک بات ایسی ہے جو ابا جیؒ بہت فخر سے بیان کیا کرتے تھے۔ جب میرے دادا جان مفتی اعظم امرتسر مولانا مفتی غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کا انتقال ہوا تو ابا جیؒ بتاتے ہیں کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ ایسی شخصیت جنہیں اقبالؒ ایسے نابغہ نے خود وضو کراتے وقت ان کے ہاتھوں اور پاؤں پر پانی ڈالا تھا، والد صاحبؒ کی وفات کے بعد بطورِ خاص دیوبند سے امرتسر ہمارے گھر تشریف لائے اور مسجد میں ان کی دستار بندی کی۔

ابا جیؒ کو اپنے اسلاف پر بہت فخر تھا اور یہ فخر بے جا نہ تھا کہ ہمارے خاندان کی ایک ہزار سالہ علمی خدمات تاریخ کی مختلف کتابوں میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ ہمارے خاندان کے شاگردوں میں سے تھے جبکہ ماضی قریب میں سینکڑوں دوسرے جید علماء کے علاوہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور جامعہ اشرفیہ کے بانی مولانا مفتی محمد حسنؒ میرے دادا جانؒ کے قابل فخر شاگردوں میں سے ہیں‘‘

امرتسر میں حضرت امیرِ شریعتؒ نے عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ اور مولانا نور احمدؒ جیسے اساطین علم سے بھی کسب فیض کیا جو ’’مسجد خیر الدین‘‘ میں قائم مدرسہ ’’نعمانیہ‘‘ میں پڑھاتے تھے۔ 1915ء سے 1919ء تک حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ ’’مسجد خیر الدین‘‘ میں قائم مدرسہ نعمانیہ میں زیرِ تعلیم رہے۔ اس عرصہ میں آپؒ نے حضرت مولانا نور احمدؒ سے فقہ و تفسیر اور حضرت مفتی محمد حسنؒ سے دورہ حدیث میں جامع ترمذی اور صحیح مسلم پڑھیں۔ دورانِ تعلیم ہی خطابت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ اپنے اساتذہ کے حکم پر ’’مسجد خیر الدین‘‘ میں نمازوں کی امامت اور خطبہ جمعہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔

13 اپریل 1919ء کو جلیانوالہ باغ، امرتسر کا مشہور خونی حادثہ پیش آیا جس میں انگریز جنرل ڈائر نے آزادی پسند ہندوستانیوں کے ایک جلوس پر گولیاں برسائیں۔ اس سانحہ میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی لاشیں ’’مسجد خیر الدین‘‘ میں ہی لائی گئیں۔ حضرت امیر شریعتؒ نے انہیں غسل دیا، کفن پہنائے اور یہیں سے جنازے لے کر قبرستان پہنچے۔ حضرت امیر شریعتؒ کے پانچ تعلیمی سال اسی ’’مسجد خیر الدین‘‘ میں گزرے اور سانحہ جلیانوالہ باغ ان کی اجتماعی و سیاسی زندگی کا نقطۂ آغاز بنا۔

’’مسجد خیر الدین‘‘ کے در و دیوار اور منبر و محراب حضرت امیر شریعتؒ کی خطابت کے آغاز اور عروج دونوں کے گواہ ہیں جو آج ان کی تلاوتِ قرآن اور خطاب سے محرومی پر یقیناً اداس ہوں گے۔ ’’مسجد خیر الدین‘‘ تحریک آزادی میں مسلمانوں کے جلسوں کا مرکز بھی تھی جو 1915ء سے 1947ء تک حضرت امیر شریعتؒ کی تلاوت اور خطابت سے گونجتی رہی۔ ہم جب تک ’’مسجد خیر الدین‘‘ میں رہے اس مسجد سے وابستہ تاریخی واقعات اور شخصیات کی یادیں دلوں کو گرماتی اور تڑپاتی رہیں۔

یہاں ہم سب نے قائدِ وفد حضرت مولانا فضل الرحمٰن زید مجدہم کی قیادت میں نماز ظہر ادا کی۔ جی چاہتا تھا کہ بھارتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پنجاب کے اس تاریخی شہر کے دیگر مقامات بھی دیکھے جائیں لیکن وقت کی کمی پاؤں کی زنجیر بن گئی۔ پاکستانی سرحد سے امرتسر کا فاصلہ صرف 32 کلومیٹر ہے۔ 2001ء کی مردم شماری کے مطابق اس شہر کی آبادی پندرہ لاکھ بتائی جاتی ہے۔

امرتسر شہر کی ابتداء کے بارے میں یہ ذکر بھی تاریخ میں ملتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کے بادشاہ اکبر نے ''امرتسر'' کا علاقہ سکھوں کے چوتھے روحانی پیشوا ''گرورام داس'' کو دے دیا تھا اور ''رام داس'' نے یہاں ''رام داس پور'' کی بنیاد ڈالی جس کا نام بعد میں امرتسر ہوا۔ اسی تاریخی شہر میں جمعیۃ علماءِ ہند کا پہلا تاسیسی اجلاس دسمبر 1919ء کو زیرِ صدارت حضرت مولانا عبدالباریؒ فرنگی محلی ہوا۔

امرتسر میں تو تقسیمِ ملک کے وقت بھی غالب آبادی سکھوں کی تھی۔ تاہم ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی مسلمانوں کی نقل مکانی کے بعد وہاں کے مدارس اور مسجدیں بھی ویران ہوگئیں بلکہ بہت سی مساجد کو ہندوؤں اور سکھوں نے مندروں اور گردواروں میں بدل دیا۔ اگرچہ پاکستانی اور ہندوستانی حکومتوں کا یہ باہمی معاہدہ تھا کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کا تحفظ کریں گے اور انہیں اصل حالت میں برقرار رکھیں گے لیکن بہت سی بے آباد و ویران مساجد کو دیکھ کر معلوم ہوا کہ اس معاہدہ پر پوری طرح عمل درآمد نہیں کیا گیا۔

بہرحال امرتسر سے ہمارا قافلہ مولانا مودود مدنی صاحب کی قیادت میں روانہ ہوا۔ اگلی منزل لدھیانہ تھی۔ راستہ میں جالندھر شہر سے گزر رہوا۔ ''جالندھر'' اور ''خیر المدارس'' کا ذکر لازم وملزوم ہے۔ اسی شہر میں میرے جدامجد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری قدس سرہٗ نے 1931ء میں خیر المدارس کی بنیاد رکھی تھی۔ جالندھر سے قلبی، روحانی اور نسبی تعلق کی وجہ سے بہت دل چاہا کہ اس کی مساجد، مدارس، گلی کوچوں اور بازاروں کو دیکھا جائے۔ بندہ اس سے پہلے سفر میں بھی جالندھر کو تفصیلی طور پر نہ دیکھ سکا تھا۔ افسوس کہ اس مرتبہ بھی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی جس کی ایک وجہ وقت کی کمی اور دوسری کسی راہبر کا میسر نہ ہونا تھا۔

بہرحال بوجھل دل کے ساتھ جالندھر بائی پاس سے گزرے، نمازِ عصر کا آخری وقت ہورہا تھا اس لئے سڑک کے ایک جانب پیٹرول پمپ پر باجماعت نمازِ مغرب ادا کی۔ واضح رہے کہ جالندھر بھارتی پنجاب کا سب سے قدیم شہر ہے جو اس وقت تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے ایک انتہائی اہم شہر کی حیثیت اختیار کرچکا ہے۔ اس کے شمال مغرب میں ریاست کا دارالحکومت چنڈی گڑھ 144 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

1947ء کے بعد تک جالندھر ریاست کا دارالحکومت رہا ہے۔ بعد میں دارالحکومت چنڈی گڑھ منتقل کردیا گیا 2011ء کی مردم شماری کے مطابق جالندھر کی آبادی تقریباً 9 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ جالندھر ایک مردم خیز علاقہ ہے۔ پاکستان کے مرحوم صدر جنرل محمد ضیاء الحق، جناب حفیظ جالندھری، سابق بھارتی وزیراعظم اندر کمار گجرال، سابق چیف جسٹس پاکستان شیخ انوار الحق، سابق چیئرمین سینٹ وسیم سجاد اور پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی، جالندھر کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قابل ذکر شخصیات میں شامل ہیں۔

جب ہمارا قافلہ لودھیانہ پہنچا تو رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خاندان کے لوگوں نے قافلہ کا استقبال کیا۔ لودھیانہ میں ہم نے نماز مغرب ادا کی۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خانوادہ کی بدولت یہاں بہت سی دینی وتاریخی روایات قائم ہیں۔ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، خاتم المحدثین حضرت مولانا علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد اور دار العلوم دیوبند کے جید فضلاء میں سے تھے۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم نکودر ضلع جالندھر کے عربی مدرسہ میں حاصل کی جس کے مہتمم مولانا حافظ محمد صالحؒ تھے۔ دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد امرتسر میں مولانا نور احمد امرتسریؒ کی خدمت میں گئے۔ بعد ازاں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔

آپؒ 1917ء کے شروع میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی اجازت سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ سیاسی جلسوں میں جانے لگے۔ اسی سال جلیانوالہ باغ کا واقعہ پیش آیا جس میں انگریزوں نے ہزاروں بے گناہوں کو بھون ڈالا۔ اس سے سارے ہندوستان میں کہرام مچ گیا اور انگریز کے خلاف آگ بھڑک اٹھی اور زبردست تحریک چل پڑی۔ حضرت مولانا لدھیانویؒ نے اس موقع پر اس تحریک میں عملی حصہ لیا اور قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ سیاسی میدان کے علاوہ آپ تحریر وتقریر کے ذریعے بھی کلمہ حق بلند کرتے رہے۔ برصغیر میں عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے آپؒ کی اولاد میں مولانا خلیل الرحمٰنؒ، مولانا عزیز الرحمٰنؒ، مولانا انیس الرحمٰنؒ، مولانا سعید الرحمٰنؒ، اور مولانا محمد احمد رحمانیؒ لدھیانوی ممتاز علماء میں سے ہیں۔ مولانا انیس الرحمٰنؒ کے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (فیصل آباد) بندہ کے برادرِ نسبتی اور ہندوستان کے پہلے سفر میں رفیقِ سفر تھے۔ موصوف تحریر وتقریر اور رشد وصلاح میں اپنے والد بزرگوار اور دادا کی روایات کے امین ہیں۔

مجلس احرار اسلام ہند نے جو خدمات انجام دیں وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت احرار رہنماؤں کا ایک بڑا طبقہ پاکستان ہجرت کر کے آ گیا لیکن احرار کے بانی اور روحِ رواں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے پاکستان کی بجائے بھارت میں ہی قیام کیا اور یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت جہاں ہزاروں افراد ہجرت کے دوران شہید ہوئے وہیں بے شمار مساجد، مدارس اور خانقاہیں ویران ہو گئیں۔ جہاں کبھی اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہوتی تھیں وہاں بت رکھ دیئے گئے یا پھر شراب خانے بنا دیئے گئے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو شاید ایسے ہی حالات کے لئے قدرت نے منتخب کیا تھا۔ تحریک آزادی کا یہ مجاہد اپنے وطن کی اس حالت کو دیکھ کر تڑپ اٹھا اور پھر اپنا سیاسی اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے بھارتیہ پنجاب میں مساجد کی آزاد کاری کا کام شروع کر دیا۔ یہ بالکل ایسا دور تھا کہ بھارتیہ پنجاب میں اپنے آپ کو مسلمان کہنا جرم تھا لیکن رئیس الاحرار اور ان کے صاحبزادوں نے پتھر کھا کر اپنا مشن نہ چھوڑا اور لدھیانہ امرتسر جالندھر، پھگواڑہ، فیروز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پور، بٹھنڈہ، رائیکوٹ، سرہند، راجپورہ، پٹیالہ، روپڑ اور ہوشیار پور کی جامع مسجدیں قابضین سے خالی کروالیں اور اس دن سے آج تک ان حضرات نے مساجد کو آباد کروانا اپنا زندگی کا مشن بنالیا۔

رئیس الاحرارؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے بالترتیب مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانویؒ، مفتی سعید الرحمٰن لدھیانویؒ، مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانویؒ نے اس خدمت کو جاری رکھا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تقسیمِ ہند کے وقت بھارتیہ پنجاب کے گاؤں دیہات میں دس لاکھ غریب مسلمان رہ گئے تھے۔ ہر ایک گاؤں میں دو تین گھر ایسے تھے جو ہجرت نہ کر سکے اور یہ لوگ سکھوں کی طرح ہی رہنے لگے۔ یہ خوفزدہ تھے، انہوں نے اپنے اور اپنی نئی نسل کے نام بھی غیروں کی طرح رکھ دیئے تھے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے خاندان نے پورے پنجاب میں دورے کئے اور لگاتار کئی سال محنت کر کے ان مسلمانوں میں ہمت پیدا کی اور انہیں دین سے جوڑا۔ رئیس الاحرارؒ کے انتقال کے بعد اس کام کو باقاعدہ منظم طریقہ سے آپ کے فرزند مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی نے چلایا اور مفتی صاحب کے بعد خانوادہ حبیب، حبیب ثانی پیدا ہوئے جو کہ آج بھارت میں نہ صرف مجلس احرار اسلام ہند کے امیر ہیں بلکہ بھارتیہ مسلمانوں کو جرأت مندانہ آواز کے طور پر جانے جاتے ہیں، نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ الحمدللہ! آج بھارتیہ پنجاب میں مجلس احرار اسلام ہند نہ صرف مساجد کو آباد کروارہی ہے بلکہ پورے بھارت میں تحفظ ختم نبوت کی تحریک بھی چلارہی ہے۔

علماء لودھیانہ کو یہ تاریخی اعزاز اور سعادت بھی حاصل ہے کہ ہندوستان میں جھوٹے داعی نبوۃ مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کا فتویٰ سب سے پہلے علماء لودھیانہ ہی نے دیا۔ چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کا تعلق اسی علاقے سے تھا اور اس کی کفریات سے جس قدر واقفیت علماء لودھیانہ کو تھی ملک کے دیگر اطراف کے علماء کو نہ تھی۔ ملک کے اطراف واکناف کے علماء کو جب اس فتویٰ کے منظرِ عام پر آنے کے بعد مرزا غلام احمد کے عقائد باطلہ اور جھوٹے دعویٰ نبوت کا علم ہوا تو انہوں نے بھی مرزا قادیانی کی تکفیر کے فتویٰ کو سوفیصد صحیح قرار دیا۔

احقر کے برادر نسبتی ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (فیصل آبادی) نے اسی موضوع پر ایک ضخیم تاریخی کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں واقعات اور دلائل وشواہد کی روشنی میں یہ تاریخی حقیقت بیان کی ہے کہ سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر وارتداد کو بے نقاب کرنے والے علماء علمائے لودھیانہ ہی تھے۔

لودھیانہ کے سفر میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰنؒ کے خاندان کے معزز افراد مولانا حبیب الرحمٰن ثانی، قاری الطاف الرحمٰن لدھیانوی، جناب عتیق الرحمٰن لدھیانوی، اور مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی سے ملاقات ہوئی۔ مولانا محمد عثمانی لدھیانوی نے خاص طور پر پورے سفر میں رابطہ رکھا اور اپنی محبت سے نوازتے رہے اور واپسی سے ایک روز قبل ''دہلی'' صرف ملنے کے لئے تشریف لائے اور ہمارے ساتھ رہے۔

............جاری ہے............

© rasailojaraid.com